جب ہم اسے مثنوی کی نگاہوں سے بغور دیکھتے ہیں تو پاتے ہیں کہ یہ کوئی دوسرا شہر نہیں بلکہ لکھنؤ ہی ہے۔ اس کی ساری رنگینی، ٹھاٹ باٹ اور چہل پہل لکھنؤ ہی کی معلوم ہوتی ہے۔

عجب شہر تھا اس کا ہیئت سوار / کہ قدرت خدائی کی آتی تھی یاد

وہ دولت سرا خانہ نور تھا / سراطبش و عشرت سے معمور تھا

نہ دیکھا کسی نے کوئی واں فقیر / بنے اس کی دولت سے گھر گھر امیر

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ آصف الدولہ نہایت سخی، فیاض اور دریا دل انسان تھا۔ وہ مختلف موقعوں پر دل کھول کر عوام کو نوازتا تھا۔ اس کے دور میں رعایا خوش حال اور آسودہ تھی۔ ہر شخص خوش ہو کر یہی کہتا تھا کہ سہ

جس کو نہ دے مولا / اسے دے آصف الدولہ

مثنوی "سحرالبیان" کا بادشاہ بھی بڑا سخی اور دریا دل تھا۔ اس کی حکومت میں رعایا بھی بڑی خوش حال اور آسودہ ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ جب ہم کہانی کی داخلی ماحول یعنی شادی بیاہ، پیدائش، جشن، چھٹی، بسم اللہ، برس کا نوٹ وغیرہ رسومات کا جائزہ لیتے ہیں تو سب کے سب نوابانِ اودھ کی یاد دلاتی ہیں اور اسی سلسلے میں میرحسن کی ~~[illegible]~~ کو پوری ~~[illegible]~~ جزئیات نگاری اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے یہ تمام باتیں تخیل کے سہارے فرضی انداز میں نہیں کیا ہے بلکہ یہ ان کے اپنے گہرے مشاہدے کا نتیجہ ہے۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "سحرالبیان" میرحسن کی شاہکار ہے ساتھ ہی اپنے عہد کی بہترین عکاسی ہے۔ اس مضمون کی تاثیر اور دل کشی کا راز یہی ہے کہ اس کی بنیاد مصنف کے ذاتی مشاہدات و تجربات پر ہے۔

— ۹ —

Scanned with CamScanner

ہر اک بات پہ دل میں خوں کیا   تب اس طرح رنگیں یہ مضموں کیا

"مثنوی سحر البیان" کو مثنوی میر حسن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس مثنوی کا قصہ بالکل روایتی انداز کا ہے۔ ایک بادشاہ تھا جس کو اولاد نہ ہونے کا غم تھا۔ ایک مدت کے بعد ایک چاند سا لڑکا (بے نظیر) پیدا ہوا۔ نجومیوں نے پیشن گوئی کی کہ بارہ سال کے اندر اسے ایک خطرہ لاحق ہے۔ بارہ سال کے اندر ہی شہزادہ بام پر جاتا ہے تو اسے ماہ رخ نام کی ایک پری اٹھا کر پرستان لے جاتی ہے۔ پرستان میں وہ شہزادے کی اداسی اور افسردگی کو دور کرنے کے لئے اسے ایک کل کا گھوڑا دیتی ہے۔ شہزادہ اس طلسمی گھوڑے پر سیر کو نکلتا ہے۔ شہزادہ سیر کرتے کرتے بدر منیر کے باغ میں جا پہنچتا ہے۔ جہاں دونوں کی نظریں چار ہوتی ہیں۔ مطلب یہ کہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہی دیکھتے محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ایک دیو کی زبانی ماہ رخ کو بے نظیر اور بدر منیر کی محبت کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ رقابت کی آگ میں جلنے لگتی ہے اور شہزادے کو سزا کے طور پر ایک اندھے کنویں میں قید کر دیتی ہے۔

شہزادی بدر منیر ایک رات خواب میں بے نظیر کو کنویں میں قید دیکھتی ہے۔ خواب دیکھ کر وہ بے چین و بے قرار ہو اٹھتی ہے اور خواب کا ذکر اپنی راز دار سہیلی نجم النساء (وزیرزادی) سے کرتی ہے۔ نجم النساء شہزادی کو بے قرار و بے چین نہیں دیکھ سکتی تھی اس لئے وہ جوگن کا روپ دھارن کر کے شہزادہ بے نظیر کو تلاش کرنے کے لئے نکل پڑی۔ تلاش کرنے کے لئے نکل پڑی۔ تلاش کے دوران فیروز شاہ نامی ایک جن نجم النساء پر عاشق ہو جاتا ہے۔ لیکن نجم النساء فرض کو اہمیت دیتی ہے اور پھر فیروز شاہ سے شادی کر لیتی ہے۔

مجنوں گورکھپوری نے ادبی تخلیق کی بقا اور کامیابی کے لئے "روح عصر" کی شمولیت کو ضروری بتایا ہے۔ مثنوی سحر البیان کی بقا اور کامیابی کا راز بھی یہی ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک "روح عصر" کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس میں ہم اس عہد اور اس ماحول کی واضح جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ جس میں یہ مثنوی لکھی گئی ہے۔ اس مثنوی میں ہمیں پورا اودھ اور اس کی طرز معاشرت جھانکتی نظر آتی ہے۔

میر حسن کی مثنوی آصف الدولہ کے دور میں لکھی گئی تھی لہٰذا اس کے مطالعہ کے وقت ہمیں آصف الدولہ کے دور کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ آصف الدولہ رنگین مزاج اور عیش پسند انسان تھا۔ اس نے اپنے عہد میں لکھنؤ کو بالکل دلہن کی طرح سجا دیا تھا۔ اس کی فیاضی، سخاوت اور دریا دلی کے سبب رعایا خوش حال اور بے فکری کی زندگی گزار رہی تھی۔ گویا وہاں کوئی فقیر یا بدحال نہ تھا۔ سحر البیان میں میر حسن نے بظاہر ایک فرضی اور خیالی شہر کا نقشہ پیش کیا ہے لیکن

Scanned with CamScanner

Dr. Md. Monauwar Alam
Dept of Urdu
R. N. College, Pandaul

7/4/2020

URDU

DI (II) P. I

میر حسن کا شاہکار مثنوی "سحر البیان"

میر حسن کا پورا نام غلام میر حسن تھا۔ ان کے والد ضاحک تھے۔ ضاحک کو صرف ایک ہی اولاد تھی۔ میر حسن کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے لیکن ایک اندازے کے مطابق ۱۷۳۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ میر حسن کی ابتدائی تعلیم والد کی نگرانی میں ہوئی۔ عربی و فارسی اچھی جانتے تھے۔

جس وقت میر حسن نے آنکھیں کھولیں دلی انتشار سے دوچار تھی۔ خانہ جنگیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ رہی سہی کسر بیرونی یلغاروں نے نکال دی تھی۔ مرہٹوں کی شورش وغیرہ سے ایک انتشار کا عالم تھا۔ ان حالات میں دہلی کے لوگ ایک طرح سے انتشار اور بدامنی میں وقت گزار رہے تھے۔ دہلی کے حالات اچھے نہ تھے۔ ایسے میں میر حسن کا خاندان ہجرت کرکے لکھنؤ آکر بس گئے۔ ۳۵ برس کی عمر میں میر حسن لکھنؤ سے فیض آباد چلے آئے۔ نواب سالار جنگ کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا اور اسی وسیلے سے ان کا وظیفہ مقرر ہوگیا۔ سالار جنگ کی موت کے بعد ان کے بیٹے نوازش علی خان سے وابستگی ہوئی۔ میر حسن کی مثنوی "گلزار ارم" اسی زمانہ کی دین ہے جس میں فیض آباد کی تعریف کی گئی ہے۔

میر حسن نے کئی مثنویاں لکھیں۔ ان کی مثنویوں میں ایک مثنوی "سحر البیان" ہے جس نے انہیں زندہ جاوید کر دیا۔ "مثنوی سحر البیان" پر اظہار خیال کرتے ہوئے اردو کے نامور نقاد پروفیسر وہاب اشرفی لکھتے ہیں:-

"مثنوی سحر البیان" واقعی اردو مثنویوں میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ میر حسن نے کئی مثنویاں لکھی تھی لیکن اس مثنوی کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کسی مثنوی میں یہ نہیں کہا کہ ؎

ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا — کہ دریا دیا ہے سخن کا بہا
زبس عمر کی اس میں میں صرف — تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجھڑی — تسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں — نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیاں
رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام — کہ یادگار جہاں ہے یہ کلام

Scanned with CamScanner